سوت نہ کپاس، جولاہوں میں لٹھم لٹھا

نظریہ

اُپیندر رائے

ہندوستان پاکستان کے مابین آپسی رشتے سدھرنے کی قیاس آرائی پھر شروع ہوگئی ہے۔ 16-15 ستمبر کو ازبکستان کے سمرقند شہر میں شنگھائی کوآپریشن آرگنائزیشن سربراہی اجلاس ہونے جارہا ہے اور تنظیم کے رکن ہونے کے ناطے ہندوستان اور پاکستان بھی اس میں شامل ہوں گے۔ ہندوستانی فریق کی قیادت وزیراعظم نریندر مودی کریں گے جبکہ پاکستان کی نمائندگی ان کے وزیراعظم شہباز شریف کریں گے۔ 6 سال میں یہ پہلی بار ہے کہ دونوں ممالک کے وزیراعظم ایک چھت کے نیچے موجود ہوں گے۔ اس سے پہلے پی ایم مودی اوفا کانفرنس میں پاکستانی پی ایم نواز شریف سے ملے تھے۔ سمجھا جارہا ہے کہ دونوں ممالک کے وزرائے اعظم پھر سے ایک چھت کے نیچے ہوں گے تو پھر سے ملاقات بھی کرسکتے ہیں۔ لیکن ملاقات کے معاملہ میں پرانا ریکارڈ بھی اب پرانا پڑگیا ہے۔ پلوامہ کے دہشت گردانہ حملہ کے بعد سے دونوں ممالک کے وزرائے اعظم کے درمیان رسمی ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ یعنی وہ واقعہ بھی اب تین سال پرانا ہوچکا ہے۔ تو کیا اس بار ملاقات ہوگی؟ پہل کون کرے گا؟ بات چیت کے ایشو کیا ہوں گے؟ سب کچھ ابھی ہوا میں ہے یعنی ابھی حالات سوت نہ کپاس، جولاہوں میں لٹھم لٹھا والے ہی ہیں۔

پھر ان قیاس آرائیوں کی بنیاد کیا ہے؟ دراصل گزشتہ ماہ ہندوستان کے وزیر خارجہ ایس جے شنکر اور پاکستان کے وزیر خارجہ بلاول بھٹو ازبکستان میں ہی تاشقند میں ملے تھے۔ موقع ایس سی او (SCO) میں وزرائے خارجہ کی سمٹ کا تھا۔ وہاں دونوں میں رسمی ملاقات ہوئی اور دونوں نے ہاتھ بھی ملایا۔ اس سے پہلے کئی مواقع پر ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے خارجہ ایک دوسرے کو مکمل طور پر نظرانداز کردیتے تھے۔ لیکن اس بار بلاول بھٹو نے اپنی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ پاکستان میں شہباز شریف کی قیادت میں نئی حکومت کی تشکیل کے بعد بلاول گاہے بگاہے ہندوستان کے ساتھ پھر سے دوستانہ رشتے بنانے کی خواہش کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ ہندوستان بھی نیبر فرسٹ کی پالیسی کے تحت دوسرے پڑوسیوں کی طرح پاکستان سے بھی رشتے بہتر کرنے کے حق میں ہے۔ شرط یہی ہے کہ پاکستان کو ماحول بھی بنانا پڑے گا جو ہو نہیں رہا ہے۔ ہندوستان کا واضح طور پر کہنا ہے کہ دہشت گردی اور بات چیت ساتھ ساتھ نہیں چل سکتی ہے۔

وادی میں مسلسل جاری دہشت گردانہ واقعات اور ٹارگیٹ کلنگ کے درمیان جمعرات کو راجوری میں فوج کے کیمپ پر فدائین حملہ کرکے اس نے ایک بار پھر اپنی فطرت دکھائی ہے۔ ایک دن پہلے جمعرات کو ہی اقوام متحدہ میں ہندوستان کی سفیر نے جرائم پیشہ گروہوں کو دہشت گردانہ سرگرمیوں میں شامل کرنے اور اقوام متحدہ کے ذریعہ بلیک لسٹ میں ڈالے جانے کے باوجود داؤد ابراہیم جیسے مجرموں کی سرکاری مہمان نوازی کے تعلق سے پاکستان کو آڑے ہاتھوں لیا تھا۔ ایسے ماحول میں وزیراعظم مودی اپنی جانب سے پاکستانی وزیراعظم سے کسی رسمی ملاقات کی پہل کریں گے، ایسا ممکن نہیں لگتا۔ بیشک یہ پیشکش پاکستان کی جانب سے ہوسکتی ہے کیوں کہ اس وقت جو اس کے حالات ہیں اس میں یہ پاکستان کے لیے ضروری بھی ہے اور اس کی مجبوری بھی ہے۔ پاکستان آج ہر محاذ پر الگ تھلگ پڑا ہوا ہے۔ اس میں کافی حد تک وہ خود قصوروار ہے اور جو کسر ہے اسے ہندوستان کی نئی اور جارحاجہ خارجہ پالیسی پوری کررہی ہے۔ پاکستان کو اب لگ رہا ہے کہ اگر وہ کسی طرح ہندوستان سے مدد لینے میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اسے دونوں مشکلوں سے راحت مل سکتی ہے۔

مسئلہ چاہے عالمی شبیہ کا ہو یا داخلی جدوجہد کا، سرگرمیاں اقتصادی ہوں یا دہشت گردانہ، مشکل مہنگائی کی ہو یا سیاسی عدم استحکام کی، پاکستان چوطرفہ بدنظمی کا شکار ہے۔ فی الحال تو سبھی مسائل کی جڑ اس کے اقتصادی دیوالیہ پن میں نظر آرہی ہے۔ پاکستان کا قرض مسلسل بڑھ رہا ہے، زرمبادلہ کا ذخیرہ بھی کچھ دنوں کا ہی بچا ہے اور کوئی بین الاقوامی ادارہ اسے قرض دینے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایسے میں اس کے اوپر سری لنکا جیسے حالات کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔ پاکستانی میڈیا میں ایک رپورٹ کے حوالہ سے خبریں شائع ہوئی ہیں کہ مارچ تک ملک پر کل 43 لاکھ کروڑ پاکستانی روپے کا قرض چڑھ چکا ہے اور اس کا بڑا حصہ گزشتہ کچھ برسوں میں آیا ہے۔ اکیلے عمران خان کی تین سال کی مدت کار میں پاکستان پر 18 لاکھ کروڑ روپے کا قرض چڑھا ہے۔ اس حساب سے عمران کے دور حکومت میں پاکستان کے عوام پر روز 1400 کروڑ روپے کا قرض چڑھا۔ ایسی بھی خبریں ہیں کہ قرض کی ادائیگی کے لیے پاکستان بھی سری لنکا کی طرح اپنی املاک فروخت کرنے پر غور کررہا ہے۔ اس میں سب سے تشویشناک بات یہ ہے کہ چین کا قرض چکانے کے لیے پاکستان اسے اپنے قبضہ کے کشمیر کا گلگت-بلتستان علاقہ پٹے پر دے سکتا ہے۔

ایشیا میں چین کی توسیع کو روکنے میں مصروف امریکہ یہ کبھی برداشت نہیں کرے گا۔ ایسے میں خدشہ ہے کہ قرض اُتارنے کے لالچ میں اگر پاکستان اس فیصلہ پر آگے بڑھا تو گلگت-بلتستان مستقبل کے یوکرین اور تائیوان بھی بن سکتے ہیں۔ ویسے بھی امریکہ کئی مواقع پر کہہ چکا ہے کہ اگر گلگت-بلتستان ہندوستان میں ہوتا اور بلوچستان آزاد ہوتا تو افغانستان میں اسے نقصان نہیں اٹھانا پڑتا۔ ایسے میں ایک مصیبت سے چھٹکارہ پانے کے لیے دوسری مصیبت کو گلے لگانا پاکستان کے لیے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مارنے جیسا ہوسکتا ہے۔ پاک پروردہ تحریک طالبان (پاکستان) افغانستان میں اقتدار تبدیل ہونے کے بعد اب اس کے لیے ہی ناسور بنتی جارہی ہے اور پشتون قوم پرستی کے نام پر کھلے عام پاکستانی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنارہی ہے۔ دوسری طرف اسلامک اسٹیٹ خراسان پاکستان کی سویلین آبادی پر اسی طرح ظلم ڈھا رہا ہے، جیسی سازشیں پاکستان کشمیر میں کررہا ہے۔

ان تمام صورت حال میں پاکستان کی عالمی شبیہ تیزی سے پستی کی جانب جاچکی ہے۔ جیسے میں نے پہلے کہا کہ اس میں بڑا کریڈٹ ہندوستان کی تبدیل ہوئی اور 'جیسے کو تیسا' والی خارجہ پالیسی کا بھی ہے۔ پہلے ہندوستان نے پٹھان کوٹ دہشت گردانہ حملہ کے بعد سرحد پر چھپے بیٹھے دہشت گردوں کو گھس کر مارا تھا، جس کے بعد پوری دنیا میں پاکستان کی پول کھل گئی تھی۔ پھر جموں وکشمیر سے آرٹیکل 370 ہٹانے پر بھی عمران خان کو بین الاقوامی 'نوحہ' کے باوجود تسلی دینے والا کوئی کندھا نہیں ملا تھا۔ دنیا کے باقی ممالک کی کیا بات کی جائے، پاکستان کو خلیج کے مسلم ممالک نے ہی الگ تھلگ کردیا ہے۔ بالخصوص گزشتہ چار پانچ برسوں میں تو پانسہ پوری طرح ہندوستان کے حق میں پلٹ چکا ہے۔ ابھی حال میں بھی جب وزیراعظم مودی متحدہ عرب امارات کے دورہ پر گئے تھے تو وہاں کے صدر استقبال کے لیے پروٹوکول توڑ کر ایئرپورٹ پہنچے تھے، جبکہ پاکستانی وزیراعظم شہباز شریف کے لیے انہوں نے اپنے وزیر قانون کو بھیج کر رسم پوری کی تھی۔

ایک عام واقعہ یہ بتانے کے لیے کافی ہوگا کہ ہندوستان اور پاکستان کے رشتوں پر جمی برف کتنی غیرمعمولی ہے۔ حال ہی میں پاکستان نے ریکارڈ توڑ مہنگائی کے باوجود گزشتہ سال کے مقابلہ میں 45 فیصد زیادہ قیمت ادا کرکے بین الاقوامی بازار سے تقریباً پانچ لاکھ ٹن گیہوں خریدا ہے۔ حالیہ دنوں میں ہی ہم افغانستان اور سری لنکا کی ایسی مدد کرچکے ہیں۔ پریشانی یہ ہے کہ پاکستان کے ہر نظریہ پر کشمیر کا چشمہ چڑھا ہوا ہے اور جب تک یہ چشمہ نہیں اترتا تب تک صلح کی کسی بھی پہل کے پیر کا ڈگمگانا طے ہے۔ چار ماہ قبل شہباز شریف نے جب پاکستان کا اقتدار سنبھالا تھا، تو وزیراعظم مودی نے اپنے مبارکباد کے پیغام میں ہندوستان کی ایک ہی توقع کا اظہار کیا تھا- امن اور استحکام والا ایک دہشت گردی سے آزاد خطہ جس میں لوگوں کی بھلائی اور خوشحالی کو یقینی بنایا جاسکے۔ لیکن افسوس کی بات ہے کہ گزشتہ چار ماہ میں وہ توقع پوری ہوتی نظر نہیں آئی ہے۔ سمرقند کا سربراہی اجلاس ختم ہونے کے بعد سرحد کے دونوں جانب کے امن پسند لوگ شاید دونوں ممالک کے حکمرانوں کے بیچ رسمی ملاقات نہیں ہونے کو لے کر بھی اسی افسوس کا اظہار کررہے ہوں گے۔

(کالم نگار سہارا نیوز نیٹ ورک کے سی ای او اور ایڈیٹر اِن چیف ہیں)

> **ایک عام واقعہ یہ بتانے کے لیے کافی ہوگا کہ ہندوستان اور پاکستان کے رشتوں پر جمی برف کتنی غیرمعمولی ہے۔ حال ہی میں پاکستان نے ریکارڈ توڑ مہنگائی کے باوجود گزشتہ سال کے مقابلہ میں 45 فیصد زیادہ قیمت ادا کرکے بین الاقوامی بازار سے تقریباً پانچ لاکھ ٹن گیہوں خریدا ہے۔ حالیہ دنوں میں ہی ہم افغانستان اور سری لنکا کی ایسی مدد کرچکے ہیں۔ پریشانی یہ ہے کہ پاکستان کے ہر نظریہ پر کشمیر کا چشمہ چڑھا ہوا ہے اور جب تک یہ چشمہ نہیں اترتا تب تک صلح کی کسی بھی پہل کے پیر کا ڈگمگانا طے ہے۔**

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA LUCKNOW

قابل مذمت بیان بازی

علامہ اقبال نے جب 'سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا' لکھا تھا تو یہ سوچا نہیں ہوگا کہ اس ملک میں مذہب کے نام پر اس قدر مذموم بیان بازی ہوگی، یہ بات بھی ایشو بن جائے گی کہ آزادی کا امرت مہوتسو منانے کے لیے ترنگا کہاں سے خریدا گیا۔ عام آدمی کے لیے آج بھی یہ کوئی ایشو نہیں، البتہ کئی لوگوں کے لیے یہ ایشو ہے۔ اسی لیے اپنے بیانات کے لیے مشہور اترپردیش کے شہر غازی آباد میں واقع ڈاسنا دیوی مندر کے پیٹھادھیشور اور جونا اکھاڑہ کے مہا منڈلیشور یتی نرسمہانند گری نے مرکزی حکومت کی طرف سے چلائی جانے والی 'ہر گھر ترنگا' مہم کی ہندوؤں سے مخالفت کی اپیل کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ 'ترنگا بنانے کا سب سے بڑا آرڈر بنگال کی ایک کمپنی کو دیا گیا ہے جو صلاح الدین نامی مسلمان کی ملکیت ہے۔' ان کا الزام ہے کہ 'کسی بھی مسلمان کے پاس جب ہندو پیسہ جاتا ہے تو وہ جہاد کے لیے زکوٰۃ دیتا ہے اور وہی زکوٰۃ کی رقم ہندوؤں اور ہندوؤں کے بچوں کے قتل کے لیے استعمال ہوتی ہے۔' یہ پہلی بار نہیں ہے جب یتی نرسمہانند گری نے مسلمانوں کے خلاف مذموم باتیں کہی ہیں، وہ مذموم بیانات دیتے رہے ہیں۔ رہی بات ہندوستانی مسلمانوں کی تو انہوں نے بار بار وطن پرستی ثابت کی ہے، 1947 میں پاکستان کے مقابلے ہندوستان کو وطن چنا اور اس کے بعد جب کبھی چین اور پاکستان کو دنداں شکن جواب دینے کا موقع آیا، مسلمانوں نے یہ ثابت کیا کہ وہ کم سے کم اتنے ہندوستانی تو ہیں کہ اپنے عزیز وطن ہندوستان پر جان نچھاور کرسکیں۔ 1965 میں پاکستانی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہوکر عبدالحمید نے یہی ثابت کیا تھا کہ جب تک ایک بھی ہندوستانی زندہ ہے، ہندوستان کو زیر کرنے کی کوئی خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی، چنانچہ ہندوستانیوں کو مذہب کے خانوں میں بانٹ کر دیکھنے والوں کو محبّ وطن کیوں کہا جائے، یہ ایک جواب طلب سوال ہے تو جواب طلب سوال یہ بھی ہے کہ یتی نرسمہانند گری کو مسلمانوں پر یقین نہیں تو کیا انہیں اپنے ملک کے نظم و نسق قائم رکھنے والے اداروں پر بھی یقین نہیں، ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ ہے کہ 'کسی بھی مسلمان کے پاس جب ہندو پیسہ جاتا ہے تو وہ جہاد کے لیے زکوٰۃ دیتا ہے اور وہی زکوٰۃ کی رقم ہندوؤں اور ہندوؤں کے بچوں کے قتل کے لیے استعمال ہوتی ہے۔' سوال یہ اٹھتا ہے کہ یتی نرسمہانند گری ایسی باتیں کیا اس لیے کرتے ہیں، کیونکہ اسلامی تعلیمات سے وہ واقف نہیں ہیں یا یہ کہ وہ واقف ہیں لیکن دانستہ طور پر ایسی باتیں کرتے ہیں؟ اس سوال کی اہمیت اس لیے ہے، کیونکہ قرآن کریم کہتا ہے کہ ایک بےقصور انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے اور ایک بےقصور انسان کی حفاظت پوری انسانیت کی حفاظت کے مترادف ہے۔ مگر اس کے باوجود کوئی شخص اسلام یا مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لیے مذموم باتیں کرتا ہے تو اسے اس کا ذہنی فتور ہی سمجھا جانا چاہیے۔ توقع یہی کی جانی چاہیے کہ یتی نرسمہانند گری کی مذموم بیان بازیوں کے خلاف جیسے اب تک قانون اپنا کام کرتا رہا ہے، اسی طرح موجودہ بیان پر بھی کرے گا۔

یتی نرسمہانند گری یہ بات سمجھ نہیں سکے ہیں یا سمجھنا نہیں چاہتے کہ ہندوستان کوئی عام ملک نہیں ہے، یہ کثرت میں وحدت والا ملک ہے۔ اسے ایک رنگ میں رنگنا مشکل ہی نہیں، ناممکن ہے، کیونکہ اس کا موجودہ روپ بڑی قربانیوں سے بنا ہے۔ یہ قربانیاں سبھی مذاہب کے ہندوستانیوں نے دی ہیں۔ آزادی کے وقت حالات سنگین بن گئے تھے۔ مختلف مذاہب کے 10 لاکھ لوگ مارے گئے تھے، ڈیڑھ لاکھ لڑکیوں اور عورتوں کا اغوا ہوا تھا مگر اس وقت کے ادیب، فنکار اور فلم والے جانتے تھے کہ نفرت کی تشہیر سے نفرت بڑھے گی، نفرت کے بڑھنے سے بدامنی پھیلے گی اور ایک بدامنی والا ملک کبھی ترقی نہیں کرپاتا، مستحکم نہیں بن پاتا، اس لیے انہوں نے نفرت کو ختم کرنے کے لیے محبت کی تشہیر کی، ان مسئلوں پر بات کرنے کی جرأت دکھائی جن سے سبھی مذاہب کے لوگ پریشان تھے۔ اصل میں ان ادیبوں، فنکاروں اور فلم والوں کو نہ مذہب کے نام پر سیاست کرنی تھی تو نہ انسانیت کے نام پر، وہ جانتے تھے کہ انسانوں کے جذبات کی قدر کرکے ہی کوئی آدمی انسان بنتا ہے۔ اصل مذہبی وہی ہے جو دلوں کو توڑنے کی نہیں، جوڑنے کی باتیں کرتا ہو، جو برتری کی نہیں، حق وانصاف کی باتیں کرتا ہو۔ یہ سچ ہے کہ آج حالات مختلف ہیں مگر مایوس کن نہیں ہیں، کیونکہ کسی یتی نرسمہانند گری کو فکر اس بات کی ہے کہ ترنگا لیا کہاں سے جارہا ہے تو اس ملک کے ایک ارب سے زیادہ لوگوں کو خوشی اس بات کی ہے کہ ہمارا ملک آزادی کا امرت مہوتسو منا رہا ہے اور اس اتسو کو منانے کی مہم خود حکومت نے شروع کی ہے۔

edit2sahara@gmail.com

ہماری جدوجہد آزادی، آزادی کا امرت مہوتسو اور مسلمان

پروفیسر اخترالواسع

حرف حق

ہماری آزادی کو 75 سال ہوگئے۔ آزادی کا امرت مہوتسو اور جشن منانے کا ہمیں موقع ملا، اس بات پر ہم جتنا خوشی کا اظہار کریں وہ کم ہے۔ سارے ہندوستانی ایک دوسرے کو دلی مبارکباد دیں کیوں کہ آزادی کی لڑائی سب نے مل کر لڑی اور انگریزوں کے سامراج کو ختم کرنے کے لیے نہ جانے کتنے ہندوستانیوں نے اپنے خون سے اس کہانی کو سرخی عطا کی۔ 1757 میں پلاسی میں سراج الدولہ کی شہادت، 1799 میں سرنگاپٹم میں شیرِ میسور ٹیپو سلطان کی قربانی، 1831 میں بالاکوٹ میں جماعت مجاہدین کی قربانی، 1857 میں آخری مغلیہ تاجدار بہادر شاہ ظفر کی علامتی ہی سہی، سربراہی میں تقریباً سارے ہندوستانیوں کا انگریزوں کے خلاف ایک جٹ ہوجانا، دلّی، میرٹھ اور شاملی میں علماء حق کا انگریزوں کے خلاف فتویٰ دینا، ان کے خلاف جنگ کرنا، رانی جھانسی، بیگم حضرت محل، تاتیہ ٹوپے، منگل پانڈے، جنرل بخت خاں اور مولوی احمد اللہ کا جوش اور جذبہ ہی تھا جس نے انگریزی سامراج کے جمتے ہوئے قدموں کو تھوڑی دیر ہی کے لیے سہی اکھاڑ پھینکا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ بالآخر فتح انگریزوں کے حصے میں آئی اور انہوں نے انتقام لینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ کتنے ہزار علماء اور عام ہندوستانیوں کو تہہ تیغ کردیا۔ کتنے اپنے مخالف امراء اور روسا کی جائیدادیں ضبط کرلیں۔ مولوی فضل حق خیرآبادی سمیت نہ جانے کتنے مجاہدین آزادی کو کالے پانی کی سزا دے کر انڈمان نکوبار میں بے یار و مددگار چھوڑ دیا گیا۔ وقتی طور پر آزادی کے لیے جنگ کا جذبہ بظاہر سرد ہوتا نظر آرہا تھا لیکن آزادی کے لیے تڑپ اور انگریز سامراج کے خلاف مخالفت کا جنون ختم نہیں ہوا تھا، یہ دوسری بات ہے کہ وہ دبا ہوا تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز سے اس جذبے نے ایک نئی انگڑائی لی۔ بال گنگادھر تلک، گوپال کرشن گوکھلے جیسے لوگ اگر ایک طرف آزادی کے میر کارواں تھے تو دوسری طرف مسلمانوں کی نئی نسل میں مولانا حسرت موہانی، خان عبدالغفار خاں، ڈاکٹر سید محمود، مولانا عبیداللہ سندھی، برکت اللہ بھوپالی اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی اس جدوجہد آزادی کو نیا رخ دے رہے تھے۔ ریشمی رومال تحریک کے کارواں سالار شیخ الہند مولانا محمود حسن نے ہماری تحریک آزادی میں ایک نئے انقلابی عنصر کو داخل کیا۔ اُدھر نوجوان فکر، جواں ہمت اور شعلہ فگن امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے الہلال اور البلاغ کے ذریعہ حریت کا وہ صور پھونکا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن کے لفظوں میں جس نے سوتوں کو جگا دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب کابل میں پہلی جلاوطن آزاد ہند حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ یہ حکومت ایک مسلم ملک میں اگرچہ علماء کی کوششوں کا نتیجہ تھی جس کے وزیراعظم برکت اللہ بھوپالی تھے تو وزیر داخلہ اور خارجہ مولانا عبیداللہ سندھی تھے لیکن ان لوگوں نے اس حکومت کا صدر ایم اے او کالج کے پروردہ راجہ مہیندر پرتاپ کو بنایا۔ 1919 میں جلیاں والا باغ میں انگریزوں نے جس بربریت اور بہیمیت کا مظاہرہ کیا وہ آج بھی دردمند دلوں میں لرزہ پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ جلیاں والا باغ کا بیساکھی کے موقع پر یہ احتجاج سیف الدین کچلو کی صدارت میں ہونا تھا جنہیں انگریزوں نے پہلے ہی گرفتار کرلیا اور پھر لوگوں نے ان کی تصویر مسندِ صدارت پر سجا کر یہ جلسہ کیا، اپنی جانیں دیں لیکن آزادی کے جذبے کو زندہ رکھا۔ یہی وہ وقت تھا جب جمعیۃ علماء ہند کا قیام عمل میں آیا جس کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی شناخت قائم رکھنا، ہندو-مسلم اتحاد سے دستبردار نہ ہونا اور انگریزوں کے خلاف جدوجہد کو کمزور نہ پڑنے دینا تھا۔ یہی وہ زمانہ تھا جب تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون کے باہمی تال میل سے انگریز تلملا گئے اور انہوں نے ہندو، مسلمانوں، سکھوں اور دیگر ہندوستانیوں کے اس باہمی اتحاد کو تار تار کردینے کے لیے ہر حکمتِ عملی اپنائی۔ مہاتما گاندھی جنوبی افریقہ سے ہندوستان آچکے تھے اور انہوں نے عملی طور پر سیاسی اقدامات کرنے سے پہلے یہ ضروری سمجھا کہ وہ ہندوستان کے اور ہندوستانیوں کے حالات سے پہلے بخوبی واقفیت حاصل کرلیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا اور اس کے بعد انہوں نے شخصی، فکری اور عملی طور پر جو کچھ کیا وہ اب کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ مہاتما گاندھی کا غربت کی آخری سطح پر زندگی گزارنے کا عملی نمونہ، عدم تشدد کو کمزوروں کا مؤثر ہتھیار بنا دینا اور باوجود ایک راسخ العقیدہ ہندو کے جو سناتن پرمپرا پر پوری طرح عمل پیرا تھا، انہوں نے جس طرح دیگر مذاہب کے احترام کے جذبے کو فروغ دیا اس نے انگریزوں کو حواس باختہ کردیا، ان کے ہوش اڑا دیے اور وہ ہندوستان کی آزادی کو تو نہ روک پائے لیکن چلتے چلتے تقسیم اور تفریق کے وہ بیج بو گئے جس سے آزادی کا جب سورج طلوع ہوا تو ہندوستان فرقہ وارانہ بنیادوں پر دو حصوں میں تقسیم ہوچکا تھا اور ہندوستانی آج تک تقسیم کے اس ناگہانی صدمے سے اپنے آپ کو آزاد نہیں کرا پائے ہیں۔

آزادی کی اس لڑائی میں اگر ایک طرف کانگریس کے ساتھ خدائی خدمت گاروں نے اہم رول ادا کیا تو دوسری طرف مجلس احرار، نیشنل کانفرنس اور مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے غیرمعمولی کردار ادا کیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد کو یہ اعزاز حاصل رہا کہ وہ 1923 میں دہلی میں کانگریس کے سب سے کم عمر کے صدر بھی رہے اور اس کے بعد کانگریس کے سب سے طویل مدت تک بھی صدر رہے۔ جب آزادی مل گئی تو انگریزوں نے اس ملک کو جہاں چھوڑا تھا، وہاں سے اس کو آگے بڑھانے اور ہندوستانیوں کو نئی بلندیوں تک پہنچانے کے لیے جواہر لعل نہرو کی قیادت میں سردار پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر امبیڈکر، راج گوپال آچاریہ، بابو راجیندر پرساد اور رفیع احمد قدوائی نے ایک ایسی منصوبہ بندی کی جس نے ہندوستان کو آگے ہی بڑھایا۔ اگرچہ مہاتما گاندھی کی ناگہانی شہادت، 1971، 1965، 1948 اور 1999 میں پاکستان کے ساتھ ہندوستان کی جنگیں اور 1961 میں چین کی پُرفریب پالیسی کے تحت ہندوستان سے جنگ نے ہماری ترقی کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنا چاہا لیکن ہماری قیادتوں کو سلام اور ان سے بھی زیادہ ہندوستانیوں کی عظمتوں کو سلام جنہوں نے ہر نازک مرحلے سے گزرتے ہوئے بھی ملک کی تعمیر وترقی کے خواب کو کبھی منتشر نہیں ہونے دیا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہوئی کہ اگرچہ کچھ آوازیں ضرور ایسی اٹھیں کہ ہندوستان کو پاکستان کی طرح ایک مذہبی ریاست بنایا جائے لیکن ایک بار پھر سلام مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لعل نہرو، سردار پٹیل، بابو راجیندر پرساد، سی راج گوپال آچاریہ اور ڈاکٹر امبیڈکر کو جنہوں نے ان آوازوں پر نہ تو کان دھرے اور نہ ہی ہندوستان کو مذہبی ریاست بننے دیا بلکہ اس کے برعکس ایک سیکولر جمہوریت کے طور پر ہندوستان کی نشوونما کی۔ دوسری طرف اس آزادی کے نتیجے میں ہندوستانی مسلمان بھی ایک نئے اور خوشگوار تجربے سے دوچار ہوئے۔ اب تک وہ اس ملک میں یا تو حاکم رہے تھے یا محکوم لیکن اب نئے اور آزاد ہندوستان میں وہ نہ تو حاکم تھے نہ محکوم، بلکہ اقتدار میں برابر کے شریک تھے۔ تقسیم کے بعد جو صبر آزما ماحول انہیں ملا اس میں انہوں نے انتہائی تحمل اور شائستگی کے ساتھ نئے حالات سے اپنے کو جوڑے رکھنے کی بھرپور کوشش کی۔ مسلمانوں کی جو قیادتیں تھیں وہ اپنے ہی وطن میں بے وطنی کے احساس سے دوچار، اپنے ہم مذہبوں کی ہمت اور دلجوئی میں لگی رہیں، ان کی حوصلہ افزائی کرتی رہیں اور فرقہ وارانہ فسادات کے موقعوں پر فائر بریگیڈ کا کام بھی کرتی رہیں۔

> **آج جب ہم بڑے فخر وانبساط کے ساتھ اپنی آزادی کے امرت مہوتسو کے موقع پر ملک بھر میں ہر گھر ترنگا لہرانے کی مہم چلا رہے ہیں تو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس ترنگے کو ایک مسلم خاتون بیگم ثریا طیب جی نے یہ شکل دی تھی جسے ہمارے قومی رہنماؤں نے بخوشی قبول کیا تھا۔ آیئے آج ہم عہد کریں کہ اس ملک میں فتنہ و فساد، فرقہ وارانہ تناؤ اور کسی طرح کے سماجی بھید بھاؤ کو پروان نہ چڑھنے دیں گے اور اپنے ملک کی عظمت اور قومی اتحاد کے لیے سب ایک جُٹ ہوکر ہندوستان کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لیے کام کریں گے۔**

آزاد ہندوستان میں تین مسلمان صدر، تین نائب صدر، ایک کیبنٹ سکریٹری، ایک ہوم سکریٹری، ایک فارن سکریٹری، ایک ڈائریکٹر انٹیلیجنس بیورو، ایک فضائیہ کے سربراہ، سپریم کورٹ کے چار چیف جسٹس، دو چیف الیکشن کمشنر، کشمیر میں تو سبھی لیکن بہار، مہاراشٹر، راجستھان، آسام، منی پور، پانڈیچری اور کیرالہ میں بھی ایک ایک چیف منسٹر مسلمان رہے۔ اس کے علاوہ نہ جانے کتنے گورنر، مرکز اور ریاستوں میں وزیر رہے۔ سپریم کورٹ کی پہلی خاتون جج ایک مسلمان جسٹس فاطمہ بیوی بنیں تو ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایوانِ بالا کی سب سے طویل مدت تک ڈپٹی چیئرپرسن ڈاکٹر نجمہ ہبت اللہ رہیں۔ ہندوستان کی طرف سے انٹارکٹکا (قطب جنوبی) میں پہلی مہماتی ٹیم کی قیادت کرنے والے ڈاکٹر ایس زیڈ قاسم تھے جنہوں نے نئے یگ کی گنگوتری کی وہاں تعمیر کی اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ ان کے ڈپٹی لیڈر بھی ڈاکٹر صدیقی مرحوم ہی تھے۔ اسی طرح میزائل مین کے طور پر ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اسی طرح ملک کی حفاظت میں اپنی جان دینے والوں میں بریگیڈیر عثمان سے عبدالحمید سمیت اور کیپٹن سیفی جیسے اَنگنت شہیدوں کو نہیں بھلایا جاسکتا۔ نئے یگ کے مہارشی ویاس بن کر جس طرح ڈاکٹر راہی معصوم رضا نے مہابھارت کو ٹی وی کے لیے رچا اسے کون بھلا سکتا ہے۔ اسی طرح ہندوستانی فلم انڈسٹری ہو یا کھیلوں کی دنیا، مسلمانوں نے ہر ہر شعبے میں جو امتیاز حاصل کیا، شہرت پائی اور ملک کے لیے ناموری کا باعث بنے، ان کے نام اور کام کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہندوستان میں وِپرو والے عظیم پریم جی ہوں یا سِپلا والے خواجہ حمید صاحب کے خاندان کے لوگ، اسی طرح ہمدرد کے حکیم عبدالحمید ہوں یا ہمالیہ کے مَنال خاندان کے لوگ ہوں، آج کوئی ہندوستانی انہیں فراموش نہیں کرسکتا۔

آخر میں یہ بات کہتے چلیں کہ آج جب ہم بڑے فخر وانبساط کے ساتھ اپنی آزادی کے امرت مہوتسو کے موقع پر ملک بھر میں ہر گھر ترنگا لہرانے کی مہم چلا رہے ہیں تو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ اس ترنگے کو ایک مسلم خاتون بیگم ثریا طیب جی نے یہ شکل دی تھی جسے ہمارے قومی رہنماؤں نے بخوشی قبول کیا تھا۔

آیئے آج ہم عہد کریں کہ اس ملک میں فتنہ وفساد، فرقہ وارانہ تناؤ اور کسی طرح کے سماجی بھید بھاؤ کو پروان نہ چڑھنے دیں گے اور اپنے ملک کی عظمت اور قومی اتحاد کے لیے سب ایک جٹ ہوکر ہندوستان کی عظمت کو دوبالا کرنے کے لیے کام کریں گے۔ آزادی کا امرت مہوتسو کی دلی مبارکباد۔

(مضمون نگار جامعہ ملیہ اسلامیہ کے پروفیسر ایمریٹس (اسلامک اسٹڈیز) ہیں۔)

wasey27@gmail.com

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

ہر گھر ترنگا ابھیان

مکرمی!

وطن عزیز کو آزاد ہوئے پچھتر سال ہوگئے ہیں۔ جھنڈا لہرانا، جھنڈا لگانا، جھنڈے کا احترام کرنا ہر ہندوستانی کے لیے لازم وضروری ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اس کے لیے مجبور کیا جائے۔ اس سے قبل ملک کے کسی وزیراعظم کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی کہ ملک کے عوام کے ذہن ودماغ کو بدلنے اور ان کے اندر حب الوطنی پیدا کرنے کے لیے "ہر گھر ترنگا یوجنا" کی شروعات کی جائے۔

اس وقت ملک میں مہنگائی اور بے روزگاری ہے۔ ہر فرد بشر شاکی نظر آرہا ہے اور اس کے لیے گھر چلانا مشکل ہورہا ہے اور مزید یہ کہ اس کو جھنڈا خرید کر ملک سے محبت کا اظہار کرنا ہے۔ اگر ایسا نہیں کیا تو وہ مشکوک نظروں سے دیکھا جائے گا اور ملک دشمنی میں اس کا ہاتھ ہوگا۔ اس سے قبل مودی حکومت نے کئی یوجنائیں بنائی تھیں وہ کس حد تک کامیاب ہیں؟ اس وقت ملک کے عوام کے لیے روزی روٹی اور بے روزگاری اہم مسئلہ ہے۔ اسے حکومت کو حل کرنا چاہیے اور ان کو 'ہر گھر ترنگا یوجنا' جیسے الفاظ سے کچھ لینا دینا نہیں۔ انہیں تو حکومت بس دو وقت کی روٹی دے دے، غریب عوام اسی میں مودی جی کا شکرگزار رہوں گے اور اس غریب کی زبان سے ہمیشہ مودی جی کے لیے کلمات خیر ہی نکلے گا۔ اس لیے حکومت کو 'ہر گھر ترنگا یوجنا' کے تحت سب کو فری میں جھنڈا دینا چاہیے اور کسی کو اس کے خریدنے پر مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ حکومت کو آزادی کے 75 سال پورے ہونے پر ملک کے غریب عوام کے لیے کوئی فلاحی اسکیم کی شروعات کرنی چاہیے جس سے ان غریب ومزدور پیشہ افراد کو فائدہ پہنچے۔

ابو فرحان عبدالواحد بلرامپوری
چمن وہار، لونی، غازی آباد، یوپی

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر ضیاء قادری نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس، سہارا انڈیا ٹاور، 7 کپورتھلہ کمپلیکس، علی گنج لکھنؤ میں چھپوا کر شائع کیا۔
Printed & Published by Zia Qadri, on behalf of Sahara India Mass Communication and Printed & Published at Sahara India Mass Communication Press, Sahara India Tower, 7 Kapoorthala Complex, Aliganj Lucknow
Chief Executive Officer & Editor in Chief : Upendrra Rai چیف ایگزیکیٹو آفیسر وایڈیٹران چیف: اپیندر رائے
Editor & Group Editor: Abdul Majid Nizami (editor.nizami@gmail.com) ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی*
For Editorial/News: simeurdu@gmail.com, ■ Advertisement(National): ■0-9891773434, 9899452476, 9711050868 Email: adsahara@gmail.com
فون لکھنؤ دفتر: پی بی ایکس وایڈیٹوریل: 0522-2332935، 2323126، 2337777 انٹرکام: 5367 سرکولیشن: 2388379 شعبہ اشتہارات: 0522-2376356 ای میل: simeurdu@gmail.com - (Lucknow) sime.urdulko@gmail.com ٹیلی فون: دہلی آفس 23352368, 23352369
* اس شمارہ میں شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
R.N.I. No 70390/99 ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA (LUCKNOW) شمارہ: 8287 سال: 23
روزنامہ راشٹریہ سہارا
حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں